© rasailojaraid.com

دورۂ ترکی کے مشاہدات

از جناب خلیل حامدی صاحب

(۱۱)

جماعت کے لٹریچر کی اشاعت کے سلسلے میں صالح اوزجان صاحب نے یہ واقعہ بھی سنایا کہ جب میں نے "اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے" پمفلٹ شائع کیا تو یہ طے کر چکا تھا کہ اگر اس کی خاطر جیل بھی جانا پڑے تو دریغ نہ کروں گا۔ اس عزمِ صمیم کے ساتھ میں نے پوری احتیاطی تدابیر کے ساتھ یہ پمفلٹ چھاپ کر تقسیم کر دیا۔ چھ ماہ بعد ترکی کے اٹارنی جنرل کے علم میں جب یہ پمفلٹ آیا تو اس نے ایک تقریب کے موقع پر مجھ سے کہا، صالح، اگر چھ ماہ کے اندر اندر یہ پمفلٹ میرے ہاتھ لگ جاتا تو میں اسے ضرور ضبط کرا دیتا، مگر ترکی قانون کی رُو سے اگر کسی مطبوعہ چیز کو چھ ماہ گزر جائیں تو وہ قانون کی زد سے باہر ہو جاتا ہے۔[1]

---

[1] صالح اوزجان کے خلاف مقدمات کا ذکر پچھلی قسط میں ہو چکا ہے۔ اب بیروت کے ہفت روزہ الشہاب سے ان پر مقدمات کی تازہ تفصیل ملی ہے۔ الشہاب لکھتا ہے "صالح اوزجان پر ایک مقدمہ استنبول میں اور دوسرا انقرہ میں چل رہا ہے۔ ان پر الزام یہ ہے کہ انہوں نے سید قطب کی کتاب "المستقبل لهذا الدین" (اس دین کا مستقبل) کا ترکی ترجمہ شائع کیا ہے اور اس میں ایک مذہبی ریاست قائم کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اس کتاب کا مقدمہ اس وقت کورٹ آف اپیل میں ہے۔ نچلی عدالت سے صالح اوزجان کے خلاف فیصلہ صادر ہو چکا ہے۔ جس کی رُو سے انہیں چھ ماہ قید اور چھ ماہ کی ملخکسر کے مقام پر جلاوطنی کی سزا سنائی گئی ہے۔ ملخکسر انقرہ سے ۳۶۰ میل دور ہے۔ ان کے خلاف اور بھی متعدد مقدمات چل رہے ہیں۔ ایک مولانا مودودی کا چودہ صد سالہ جشنِ قرآن سے متعلق ایک پیغام چھاپنے پر۔ اور مولانا مودودی کی کتاب الجہاد فی سبیل اللہ اور سید قطب کا الجہاد کے عنوان پر ایک مضمون چھاپنے کی وجہ سے (الشہاب یکم دسمبر ۱۹۶۹ء)۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کو ثابت قدم اور سرفراز رکھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

افکارِ نورسی بدیع الزماں نورسی مرحوم صالح اوزجان سے بڑا مشفقانہ برتاؤ رکھتے تھے۔ ان کے جذبہ جہاد کی حوصلہ افزائی کرتے رہتے تھے۔ صالح اوزجان نے نورسی مرحوم کو منہاج الانقلاب الاسلامی (اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے" کا عربی ترجمہ) پڑھ کر سنائی۔ مرحوم نے اِسے بالاستیعاب سُن کر فرمایا: یہ کتاب میرے خیالات کی صحیح ترجمانی کرتی ہے۔ اِسے خوب پھیلاؤ۔ چنانچہ طلبائے نور اسے نہایت اہتمام سے پڑھتے ہیں۔ صالح اوزجان کے بیان کے مطابق یہ کتاب طلبائے نور کا دستور العمل ہے۔ بدیع الزماں نورسی مرحوم کے شاگردان سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ مرحوم کے مواعظ اور مقولے اُن کے نوکِ زبان رہتے ہیں۔ صالح اوزجان نے مجھے مرحوم کے بے شمار شذرات سنائے، جن میں سے چند ایک ابھی تک میرے ذہن میں گونج رہے ہیں:

- دین زندگی کی روح، اس کا نور اور اس کی بنیاد ہے۔
- ملت اسلامی کا احیاء دین کے احیاء کے بغیر نہ ہو سکے گا۔
- یہ دَور مریض ہے، یہ انسان مریض ہے، اس کا علاج قرآنِ کریم کا اتباع ہے۔
- تفرقہ قبلہ کے اتحاد سے دُور ہو سکتا ہے اور قبلہ قرآن ہے۔
- یہ زمانہ طریقت کا زمانہ نہیں ہے بلکہ حقیقت کا زمانہ ہے، اور حقیقت تمام تر قرآن و سنت میں موجود ہے۔
- عہدِ حاضر کی تمام صحیح اسلامی تحریکیں ہماری جماعت ہیں۔ ہم میں اور اُن میں صرف طریقِ کار کا فرق ہے۔
- فرد فنا ہو جائے گا تحریک باقی رہے گی۔
- شخصیت پرستی سے بچو۔ شخصیت تودۂ برف ہے۔ اس تودے کو جماعت کے حوض میں ڈال دو تاکہ سارا حوض اُس کی صفت سے متصف ہو جائے۔
- اگر یک جہتی اور مساوات ہو تو ایک کا ہندسہ تین مرتبہ برابر لکھنے سے ۱۱۱ بن جاتا ہے اور چار کا ہندسہ چار مرتبہ برابر لکھنے سے ۴۴۴۴ بن جاتا ہے۔ لیکن اگر چار کے ہندسے کو چار مرتبہ نیچے اوپر کر کے لکھا جائے تو یہ چار صرف ۱۶ بن کر رہ جائیں گے۔ جب کہ پہلی صورت میں یہ چار ہزار چار سو چوالیس تھے پہلی صورت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یک جہتی اور ہم آہنگی اور ہمقدمی سے پیدا ہوتی ہے اور دوسری اونچ نیچ سے۔

۔ اگر آپ اپنے بھائی کو بات کرنے کا موقع دیں گے تو آپ خود بھی لذت اندوز ہوں گے۔

۔ رفیقو، ہنگامہ پرور نہ ہو بلکہ افہام و تفہیم کو شعار بناؤ۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم و تفہیم کے ذریعہ یہ عظیم انقلاب برپا کیا تھا۔

۔ دار ارقم وہ پہلا مدرسہ تھا جس میں چرواہے، ساربان اور غلام داخل ہوتے اور دنیا کے قائد بن کر نکلے۔ یہ تعلیمی طریق کار کا کرشمہ تھا۔"

میں نے صالح اوزجان سے کہا کہ آپ لوگوں کا فرض ہے کہ نورسی مرحوم کی تعلیمات کو دوسری زبانوں میں منتقل کریں اور عالم اسلامی کی دوسری اسلامی تحریکوں کو بھی اُن سے روشناس کرائیں۔ جواب ملا کہ ہم مولانا محترم کی تعلیمات کو ترکی میں عام کر رہے ہیں، آپ نورسی کے افکار سے اہل پاکستان کو متعارف کرائیں۔

میں چپ ہو گیا کہ جواب تو خوب ہے مگر ع زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم۔

سفر قونیہ | آج دل کی قدیم آرزو پوری ہو رہی ہے۔ مثنوی مولانا روم بڑی عقیدت و شیفتگی سے پڑھی تھی۔ "بشنو از نے چوں حکایت میکند" میں اپنی ہی فطرت کی صدا سنائی دیتی تھی ناشتہ کے دوران صالح اوزجان نے تجویز کر دیا کہ میں مولانا رومی کے شہر قونیہ جاؤں۔ وہاں طلبائے نور کا نہایت مضبوط مرکز ہے اُن سے ملاقات مفید رہے گی۔ صالح اوزجان نے ٹیلیفون سے قونیہ کے ایک ذمہ دار رفیق کو میری آمد کی اطلاع کر دی۔ مکان سے باہر نکلے تو بوندا باندی ہو رہی تھی۔ سردی گو شدت اختیار کر چکی تھی مگر لطافت آمیز ہو رہی تھی۔ سفر بذریعہ بس تھا۔ مگر پریشانی اس لیے نہ تھی کہ ترکی بسوں کو اندر سے گرم رکھا جاتا ہے اور سیٹیں ریزرو ہوتی ہیں۔ صالح اوزجان کے دو ساتھی مسٹر کمال الدین اور محمد نجاتی میرے رفیق سفر تھے۔ اول الذکر انگریزی خوب جانتے ہیں اور ثانی الذکر عربی میں گفتگو کر لیتے ہیں۔ دونوں نوری تحریک کے شیدائی ہیں، اور بڑے متحرک و سرگرم کارکن ہیں۔

ترکی میں چار شہروں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ انقرہ، استنبول، بورصہ اور قونیہ۔ استنبول کی فتح سے پہلے عثمانیوں کا دارالحکومت بورصہ تھا۔ اور قونیہ سلاجقہ روم کا دارالحکومت تھا۔ انقرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے قونیہ ۱۵۶ میل ہے۔ تاریخ کا یہ عجیب فیصلہ ہے کہ قونیہ سلاجقۂ روم کی عظیم سلطنت کا تین سو سال (۱۰۷۴ء ... ۱۳۰۰ء) تک مرکز رہا مگر آج اُس کی شہرت مسعود بن قلیج ارسلان کی وجہ سے نہیں جس نے قونیہ کو سلجوقیوں کا دارالحکومت بنایا، نہ غیاث الدین کیخسرو اوّل کی وجہ سے ہے جس نے بازنطینیوں سے کامیاب جنگیں لڑ کر انطاکیہ کو قلمرو اسلام میں شامل کر لیا، اور نہ عزالدین کیکاؤس اور علاء الدین کیقباد کی بدولت ہے جن کا دورِ حکمرانی سلاجقۂ روم کا سنہری زمانہ کہلاتا ہے بلکہ اُس کی شہرت ایک دلق پوش اور بوریا نشین صوفی جلال الدین رُومی کی وجہ سے ہے جس کا مزار آج بھی قونیہ میں مرجع خلائق ہے اور رومی کی عظمت و رفعت کا دنیا کے اندر صدیوں سے نقش ثبت کر رہا ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

راستے کے مناظر بارش نہ ہوتی تو ہم انقرہ سے قونیہ تین گھنٹوں میں پہنچ جاتے۔ سڑک بہت عمدہ ہے جو ۱۹۳۹ء تک موجود نہ تھی۔ ترکی ڈرائیور اُس رفتار کی اہتمام سے پابندی کرتا رہا جو سڑک کے کنارے جگہ جگہ تختیوں پر لکھی ہوئی تھی۔ جدّہ اور مکہ یا ریاض اور طائف کے درمیان سفر کرتے وقت سو سو کیلومیٹر بھی گزر جائیں تو آبادی نہیں ملتی۔ مگر ترکی آباد مُلک ہے۔ قونیہ کے راستے میں جگہ جگہ آبادیاں ہیں، انسانوں کی آمد و رفت ہے، طعام گاہیں اور تفریح گاہیں ہیں، سیاحوں کے خیمے اور استراحت کے ہوٹل ہیں، کچھ دُور تک طویل پہاڑی سلسلہ ملے گا جس کے دامن شاداب اور سبز پوش ہیں۔ کھیت اور باغات ہیں۔ کلّہ کوہ کو دیکھیں تو وہ برف کی سفید چادر اوڑھے ہوئے ہے اور دامنِ کوہ پہ نظر ڈالیں تو کھیتوں کی سبز و خوش رنگ چادر بچھی ہوئی ہے۔ شکر بچرا سے لدے ہوئے ٹرک بار بار ہماری بس سے آگے نکلتے۔ ترک شکر بچرا سے چینی پیدا کرتے ہیں اور یہ ٹرک چینی کے کارخانوں کی طرف جا رہے ہیں۔ کمالی دور میں زراعت پر جو غیر معمولی توجہ دی گئی تھی اور جنگلات کی افزائش کی جو زبردست تحریک چلائی گئی تھی وہ اب بھی برق رفتاری سے جاری ہے۔ زراعت کی موجودہ ترقی میں مشینی آلات کو دخل حاصل ہے یہ بھاری بھرکم امریکی اور فرانسیسی ٹریکٹر جو سڑک کے ارد گرد چلتے نظر آتے ہیں عثمانیوں کے دور میں نہ تھے۔

© rasailojaraid.com

راستے میں ہم اناطولیہ کے "قلبِ مُردہ" میں سے گزرتے ہیں۔ پھر اک کھاری پانی کی جھیل آتی ہے جسے ترغولو کہتے ہیں اس میں سے نمک بھی نکالا جاتا ہے۔

ترک خانم اپنے ترک دوستوں سے استنبول اور انقرہ میں یہ سُن چکا تھا کہ ترکی کی دیہاتی عورت بڑی خوبیوں کی مالک ہے۔ انقرہ اور قونیہ کے دیہات میں وسط ایشیا سے آنے والے تُرکوں کا خالص خون موجود ہے۔ ترکی کی دیہاتی عورت ابھی تک وہی ڈھیلا ڈھالا اور تہ بہ تہ لباس پہنتی ہے جو وہ صدیوں سے پہنتی چلی آ رہی ہے۔ اُس کا صرف چہرہ اور ہاتھ ننگے ہوں گے۔ مگر جب وہ غیر مرد کا سامنا کرے گی تو منہ چھپالے گی یا دوسری طرف پھیر لے گی۔ اس کا لباس کاشت یا کٹائی میں مردوں سے تعاون کرنے میں حائل نہیں ہوتا۔ راستے میں ایک مقام پر بس کھڑی ہو گئی۔ باہر ترک عورتوں کا ایک گروہ کسی کام کے سلسلے میں جمع تھا۔ سب نے ایک سا لباس پہن رکھا تھا۔ بعض عورتوں نے چہروں کے اُوپر بھی ایسا سیاہ رومال باندھ رکھا تھا جس سے صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ مَیں نے مسٹر کمال الدین سے پوچھا کہ یہ لباس سن رسیدہ عورتیں ہی پہنتی ہیں یا جوان لڑکیاں بھی۔ مسٹر کمال الدین نے بتایا کہ اکثر نوجوان لڑکیاں بھی اسی لباس کی پابندی کرتی ہیں۔ مگر قصبوں میں رہنے والی لڑکیاں اسکرٹ پہنتی ہیں اور جب گاؤں میں آتے تو سر پر ایک رومال باندھ لیتی ہیں۔ مسٹر کمال الدین نے بتایا کہ مصطفیٰ کمال کی یہ "اصلاح" کہ عورتیں حجاب ترک کر دیں شہروں اور قصبوں تک محدود رہی۔ اناطولیہ (اناضول) کی دیہاتی آبادیاں اس سے متاثر نہیں ہو سکیں۔ دیہات کے لوگ جب شہروں میں آتے ہیں تو وہ عورتوں کے عُریاں اور نیم عریاں لباس دیکھ کر سخت چیں بجبیں ہوتے ہیں۔ مسٹر کمال نے بتایا کہ ان کے ایک عزیز انقرہ آئے، اور دو روز بمشکل گزارنے کے بعد واپس گاؤں چلے گئے۔ کیونکہ انہیں یہ خوف لاحق ہوا کہ انقرہ کی عُریانی خدا کے غضب کو دعوت دے رہی ہے گی۔ مسٹر کمال الدین کے بیان کردہ حجابی نمونے راستہ بھر نظر آتے رہے۔ دیہاتی عورت کے بارے میں مجموعی طور پر یہی تاثر قائم ہوا کہ یہ فی الواقع موم کی ناک نہیں ہے۔ قانون کے ذریعے اسے بے نقاب کرنے والے شکست کھا گئے ہیں مگر اس نے شکست نہیں کھائی۔ ترک دیہاتی عورت کے اندر یہ احساس بہت گہرا ہے کہ وہ ترکمان ہے۔ اس کے اسلاف وسطِ ایشیا سے اُٹھ کر یہاں آئے اور حکومت کرتے رہے ہیں اس کے آباؤ اجداد نے بازنطینی طاقتوں کو سرنگوں کیا ہے صلیبی حملہ آوروں کا منہ توڑا ہے۔ وہ غازی عثمان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی بیٹی ہے وہ آلِ سلجوق کی نشانی ہے وہ اس قوم سے تعلق رکھتی ہے جس نے یورپ اور ایشیا کے بہت بڑے حصّہ پر حکومت کی ہے۔ اور کسی بیرونی طاقت کی غلامی اُس نے نہیں کی۔ وہ آج بھی اس کوشش میں لگی ہوئی ہے کہ اپنے قومی اور نسلی خصائل و عادات کو بچوں کے اندر کوٹ کوٹ کر بھر دے۔

عمامہ۔ ٹوپی اور ہیٹ ۴۵۔۔۵۰ برس کا ایک تُرک میرے پاس آکر بیٹھ گیا۔ میرے ساتھی پچھلی سیٹوں پر اپنے بعض جاننے والوں کے پاس چلے گئے۔ ترک نے اپنی زبان میں لگاتار اظہارِ خیال کرنا شروع کر دیا۔ اور یہ دیکھ کر کہ مَیں اس کی بات کو نہیں سمجھ رہا ہوں اُس نے اشاروں سے باتیں شروع کر دیں۔ کسی قصبے کا معمولی پڑھا لکھا معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے میری ٹوپی (سیاہ رنگ کی قراقلی) اُتار لی اور اپنے سر پر رکھ لی۔ اور بڑی خوشی کا اظہار کیا اور میری ٹوپی کو خوب داد دی۔ پھر میری گرم شیروانی کو بھی "عقیدت" سے چھُونے لگا۔ یہاں تک تو مَیں یہ سمجھا کہ وہ مجھے یہ بتانا چاہتا ہے کہ پاکستان کا لباس اُسے پسند ہے یا اُسے ایسی ٹوپی اور شیروانی درکار ہے۔ مگر اس ایجابی انداز کے بعد اُس نے اب سلبی اسلوب بھی اختیار کیا۔ اُس نے اپنی کنارہ دار فوجی طرز کی ٹوپی سر سے اُتاری اور اُسے بڑی غضب آلود نگاہوں کے ساتھ ہاتھوں میں مسلنے لگا۔ اُس کے ٹوپی کو بار بار جھٹکنے سے میں سمجھ گیا کہ وہ یہ کہہ رہا ہے کہ یہ سر پوش جو ہمارے سروں پر جبراً ٹھونسا گیا ہے یہ اُسے سخت ناپسند ہے اور اُس کا بس چلے تو آج ہی اِسے ترکی سے دیس نکالا دے دے۔ مَیں نے دیکھا کہ کوئی ترک مسجد کے اندر سر پوش (خواہ وہ ہیٹ ہو یا کپڑے کی فوجی ٹوپی) لے کر نہیں جاتا۔ بلکہ اُسے مسجد کے دروازے پر محافظ کے حوالے کر دے گا اور نماز کے لیے سر پر سبز رنگ کی کپڑے کی بنی ہوئی ٹوپی اوڑھ لے گا۔ ایک مرتبہ انقرہ میں ایک صاحب سر پوش سمیت مسجد میں داخل ہو گئے۔ اس پر محمد نجاتی صاحب نے (جو میرے رفیقِ سفر ہیں) بڑا واویلا کیا۔ مَیں نے کہا یہ معمولی بات ہے۔ کہنے لگے جسے آپ معمولی سمجھتے ہیں وہ ہمارے ہاں کا بڑا نازک مسئلہ ہے۔ تُرکی میں سر پوش کا ایک تاریخی پس منظر ہے۔ غازی اُرخاں (غازی عثمان خاں کے لڑکے) نے مجاہدین کی ایک خصوصی فوج تیار کی اور اپنے عہد کے ایک صوفی بزرگ شیخ بکتاش سے درخواست کی کہ وہ مجاہدین کی اس فوج کے لیے دُعا فرمائیں۔ شیخ بکتاش نے پہلے دُعا مانگی اور پھر اپنی ڈھیلی ڈھالی آستین ایک سپاہی کے سر پر ڈالی اور فرمایا: "اس فوج کا نام ینگی چری (نئی فوج) رکھا جائے۔ خدا اس فوج کو سُرخ رو رکھے، اس کے بازو

© rasailojaraid.com

مضبوط، اس کی شمشیر قاطع اور اس کے تیر سے پُر کار رہیں۔ اور یہ کامیاب و کامران لوٹا کرے"۔ ینگی چری بعد میں ینی چری سے تبدیل ہو گیا۔

فوج کے سپہ سالار امیر علاؤالدین نے شیخ بکتاش کی بابرکت آستین کی یاد تازہ رکھنے کے لیے فوجیوں کے سروں کے عمامے پر شملے کا اضافہ کر دیا۔ بعد میں اس نوعیت کے عماموں کا رواج علماء اور فقہاء اور اعیانِ حکومت میں بھی پھیل گیا۔ سلطان محمود ثانی (۱۸۰۸ء - ۱۸۳۹ء) نے جب ینی چری کی مسلسل بغاوتوں اور خرابیوں سے تنگ آکر اس کا خاتمہ کر دیا تو یہ عمامہ بھی تبدیل کر دیا اور اس کی جگہ لال ترکی ٹوپی کو رواج دیا۔ البتہ شیخ بکتاش کی آستین کی یاد تازہ رکھنے والے شملے کی جگہ ترکی ٹوپی کے اوپر پھُندنے کا اضافہ کر دیا۔ بعض اربابِ تحقیق یہ بیان کرتے ہیں کہ ینی چری کا سفید عمامہ "اخی تحریک" کا شعار تھا۔ یہ تحریک اناطولیہ کے ترکوں کے اندر بھائی چارہ اور اتحاد پیدا کرنے کے لیے علماء اور صوفیاء نے جاری کی تھی۔ عثمان خان بھی اس کا ایک رُکن تھا۔ یہ تحریک اُس دور کی صحیح اسلامی تحریک تھی جس نے مسلمانوں کے اندر جہاد کی رُوح پھونکی۔ غازی عثمان خان نے تحریک کے سفید عمامے یا سفید ٹوپی کو ینی چری کا سرپوش قرار دیا۔ بہرحال سلطان محمود ثانی کے بعد عمامے کے بجائے لال ترکی ٹوپی جاری ہوئی جسے ہمارے ہاں فیض کیپ (صحیح نام ہے فاس کیپ) کہا جاتا ہے۔ ۲۵ نومبر ۱۹۲۵ء کو مصطفیٰ کمال نے ایک قانون جاری کر کے ترکی ٹوپی کو ممنوع قرار دے دیا اور ہیٹ پہننے کا حکم دے دیا۔ اب سمجھ میں آگیا کہ محمد نجاتی کے نزدیک سرپوش کا مسئلہ کیوں نازک اور جذباتی ہے۔

اپنی روایتی ٹوپی سے ترکوں کے لیے دست بردار ہو جانا آسان نہ تھا۔ یہ ایک گول، بے کنارہ اور تقریباً مخروطی ٹوپی تھی۔ نماز ادا کرتے وقت سجدے میں کوئی زحمت نہیں ہوتی، اور پیشانی بے تکلف زمین پر رکھی جا سکتی ہے۔ اتاترک کی رائے تھی کہ یہ قدیم اسلامی رواجوں کا نشان ہے اور وہ ترکوں کو ایسے نشانوں سے الگ کرنے پر تُلا ہُوا تھا۔ پھر وہ اور چند افسر فسطنطنی گئے جسے قدامت پسندی میں خاص شہرت حاصل تھی۔ خود اُس نے اور اُس کے ساتھیوں نے ہیٹ پہن رکھے تھے۔ اتاترک نے خوف زدہ اہلِ شہر سے کہا: دیکھو، میں تمہارے لیے عمدہ تحفے لے کر آیا ہوں۔ یہ ہیٹ ہیں اور ترکی ٹوپی کے مقابلے میں دھوپ اور بچاؤ کا بدرجہا بہتر ذریعہ ہیں۔ اس اعلان کے بعد یہ تحفہ زبردستی لوگوں کے سروں پر ٹھونسنے کا حکم جاری ہُوا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اناطولیہ میں ہیٹ پہن لینے کا مطلب یہ سمجھا جاتا تھا کہ مذہب چھوڑ دیا ہے۔ سالوں تک حکومت کی پروپگنڈا مشینری یہ ثابت کرتی رہی کہ ترکی ٹوپی حقیقتاً ترکی نہیں ہے بلکہ اہلِ وینس سے لی گئی ہے تاکہ غیر موزوں اور بوجھل دستار کی جگہ لے سکے۔ مگر اس کا کیا علاج کہ روپے اور طاقت کے بے پناہ استعمال کے باوجود اناطولیہ کا یہ ترک جو مجھ سے متعارف بھی نہیں تھا ہیٹ اور خوجی سرپوش سے بے پناہ نفرت کا اظہار کر رہا تھا۔

اتاترک کے مجسمے انقرہ اور استنبول میں اتاترک کے مجسمے دیکھ کر میں سمجھتا تھا کہ یہ صرف شہروں تک محدود ہیں، مگر انقرہ سے لے کر قونیہ تک ڈیڑھ سو میل کے سفر کے دوران کوئی قابلِ ذکر جگہ ایسی نہ تھی جہاں اتاترک کا مجسمہ نصب نہ ہو۔ کہیں کسی سیاہ رنگ کی دھات کا مجسمہ اور کہیں پتھر کا۔ بلا مبالغہ یہ مجسمے سینکڑوں ہوں گے اور خدا معلوم "جمہوریہ ترکیہ" کے خزانے میں سے عوام کی "بہبود" کے لیے ان مجسموں پر کتنا روپیہ صرف کیا گیا ہوگا۔ میں تو صرف ڈیڑھ سو میل کے ایک ٹکڑے کی بات کر رہا ہوں۔ اناطولیہ کی دوسری سڑکوں کی حالت کیا اس سے مختلف ہوگی ؟ میں نے اپنے رفیق محمد نجاتی سے اس پر اپنی حیرت کا اظہار کیا۔ نجاتی صاحب نے بتایا کہ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اتاترک نے اس پورے علاقے میں تحریکِ آزادی کی قیادت کی ہے۔ اور ۱۹۳۷ء تک وہ کامیاب غازی کی حیثیت سے متعارف رہا ہے۔ اس لیے اس خطے میں شروع شروع میں اُسے خوب مقبولیت حاصل رہی ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جس فوجی جرنیل کو اتاترک نے اس علاقے کا گورنر بنایا تھا وہ سخت مغرب زدہ اور اتاترک کا زبردست حامی اور معتقد اور وفادار تھا۔ یہ مجسمے اُسی نے جگہ جگہ نصب کروائے ہیں۔

محمد نجاتی صاحب سے یہ بھی پتہ چلا کہ غازی اتاترک نے اپنے مجسّمے ترشوانے کے لیے خاص طور پر جرمنی کے مجسمہ سازوں کی خدمات حاصل کیں اور متعدد قوی ہیکل مجسّمے تراش کر تمام شہروں میں نصب کیے گئے اور انہیں سلامی دی گئی۔ یہ اس امر کا اعلان تھا کہ ترکی فنونِ لطیفہ کو ترقی دے رہا ہے۔ عثمانیوں نے صرف فنِ تعمیر یا کتابوں کی جلد سازی پر توجہ دی تھی (حالانکہ یہ غلط ہے) اور ہم اس میں ہمہ جہت ترقی کر رہے ہیں۔ نیز ترکی کے مذہب پرست عناصر پر یہ واضح کر دینا مقصود تھا کہ جدید ثقافت اسلام کے اس نظریہ کو تسلیم نہیں کرے گی کہ بت تراشی اور بُت پرستی حرام ہے۔ ۱۹۵۰ء کے بعد جب عدنان مندریس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برسرِ اقتدار آیا تو لوگوں نے یکایک اِن مجسّموں پر حملہ کر دیا اور اُن میں سے کئی ایک توڑ ڈالے یا اُن کی توہین کی۔ اس پر حکومت کو مجسّموں کے احترام کے لیے خاص قانون نافذ کرنا پڑا جو اَب تک نافذ العمل ہے۔

قونیہ کے راستے میں جہاں جہاں آبادیاں ہیں مسجدیں بنی ہوئی ہیں۔ جب ظہر کی نماز کا وقت آیا تو ڈرائیور نے ایک ایسے مقام پر بس روک دی جہاں مسجد سڑک کے بالکل قریب تھی۔ بس کے بعض مسافروں نے ہمارے ساتھ مل کر مسجد میں نماز ادا کی۔ مَیں نے دیکھا کہ تُرک ہر نماز کے لیے وضو کرتے ہیں اور جرابوں پر مسح نہ خود کرتے ہیں، نہ دوسرے کے مسح کرنے کو پسند کرتے ہیں۔ سخت سردی کے اندر یخ بستہ پانی سے وضو کریں گے مگر جرابوں پر ہرگز مسح نہ کریں گے، خواہ وہ کتنی ہی موٹی کیوں نہ ہوں۔ عصر کی نماز بھی ہم نے راستے ہی میں ادا کی۔ مغرب سے ایک گھنٹہ قبل ہم قونیہ میں داخل ہوئے۔

قونیہ میں داخل ہونے سے پیشتر یکایک نگاہیں ایسی قدیم عمارات پر پڑتی ہیں جو استنبول کی تاریخی عمارات سے بڑی حد تک مختلف ہیں۔ یہ سلجوقی عمارات ہیں۔ اپنے زمانے میں یہ سرائیں تھیں یا اسلامی مدرسے تھے۔ سلجوقیوں کے دور میں شہر کے اردگرد نگرانی کے لیے بلند برج بنے ہوئے تھے جن پر چوکیدار پہرہ دیتے تھے۔ شہر کے اردگرد فصیل بنی ہوئی ہے جس میں داخلے کے دروازے تنگ ہیں۔ بسوں کے اڈے میں اُتر کر ہم پیدل چلتے رہے اور قونیہ کی نوری تحریک کے ایک ممتاز کارکن کی بیکری میں چلے گئے۔ مغرب کے بعد مولانا روم کا مزار بند ہو جاتا ہے اس لیے ہمارے میزبان نے تجویز کیا کہ مولانا کی قبر پر فاتحہ پڑھ لی جائے اور اُن کا عجائب گھر دیکھ لیا جائے۔

تربتِ رومی | مزار کے زائرین کی اکثریت یورپی سیاحوں پر مشتمل تھی۔ اور وہ رُوحانی عقیدت کے اظہار کے بجائے فنِ تعمیر اور تاریخی آثار و تبرکات میں منہمک رہے۔ مولانا روم کی قبر، اُن کے والد، اور اُن کے خلفاء، اور دوسرے سلجوقی بزرگوں کی قبریں بہت وسیع و عریض عمارت کے اندر ہیں جس کے پہلوؤں میں حجرے بنے ہوتے ہیں۔ بیرونی صدر دروازے کی پیشانی پر یہ الفاظ کندہ ہیں: "حضرت مولانا"۔ تُرک جب مولانا کہیں گے تو اس سے اُن کا اشارہ مولانا رومی کی طرف ہوگا اور مولوی سے اُن کی مراد مولانا رومی کے مریدین ہوتے ہیں۔ مولانا رومی کے سلسلۂ تصوّف کو طریقۂ مولویہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علماء کے لیے ترک مولانا یا مولوی کے لفظ کے بجائے "حضرت" کہیں گے۔ چنانچہ میں پورے قیامِ ترکی میں "حضرت مودودی" کا لفظ سنتا رہا ہوں۔ جیسے سعودی عرب میں "شیخ مودودی"۔

تعلیمات رومی اور اخی تحریک حضرت علی ہجویریؒ نے جس طرح تعلیم و تزکیہ اور دعوت و ارشاد کی مہم جاری کی تھی اُسی طرح مولانا رُومی نے بھی اپنے عہد میں اصلاح و تربیت کی تحریک چلائی۔ مگر پیروکاروں نے مرورِ زمانہ سے دونوں بزرگوں کے بارے میں عقیدت کے جذبات تو مبالغہ کی حد تک دکھائے مگر اصل دعوت کو فراموش کر دیا۔ مولانا روم کی مثنوی جسے "ہست قرآں در زبانِ پہلوی" کہا گیا، کیا ہے؟ ایک دفترِ بے پایاں ہے جس میں اسلامی اخلاق، روحانی اوصاف، معاشرتی آداب، حکمتِ قرآن، حکیمانہ طرزِ اصلاح، جہاد و قتال، فرائضِ حکمرانی، دنیا پرستی سے نفرت، صحیح علم، حقیقی معرفت، مقامِ عبدیت اور حقیقتِ توحید کا درس دیا گیا ہے۔ مولانا روم کی یہ تصنیف اُس ماحول کو سامنے رکھ کر پڑھنی چاہیے جب اناطولیہ میں سلجوقی سلطنت دم توڑ رہی تھی، تاتاری طوفان مشرقی اناطولیہ میں داخل ہو چکا تھا۔ سلجوقی امراء آپس میں دست و گریباں تھے۔ اور مختلف امراء نے اپنی چھوٹی چھوٹی مستقل ریاستیں قائم کر لی تھیں۔ جن کی تعداد ۹ تک پہنچ چکی تھی۔ سلجوقیوں کے بعد اُبھرنے والی نئی اسلامی طاقت (ترکانِ عثمانی) ابھی میدانِ کارزار میں نہیں آئی تھی۔ اس داخلی سیاسی انتشار کے ہوتے ہوئے تاتاری طوفان کی یلغار نہ صرف مولانا رومی کو پریشان کر رہی تھی بلکہ ہر بہی خواہِ ملت سراسیمگی میں مبتلا تھا۔ تاتاری حملوں سے ترکانِ اناطولیہ کو زبردست جانی، مالی اور روحانی نقصان پہنچ رہے تھے۔

مولانا رومی نے اپنے حکیمانہ مواعظ سے اناطولیہ میں جو اثرات چھوڑے انہیں کے نتیجہ میں بعد میں اخی تحریک کے نام سے اسلامی اتحاد کی زبردست تحریک برپا ہو گئی۔ صوفی سرداروں نے مذہبی رنگ دینے کے لیے اخی کا نام دیا۔ علماء اور صوفیائے کرام نے اس کے ذریعہ لوگوں میں اخلاقی اور روحانی اقدار کو بیدار کرنے کی مہم چلائی۔ سلجوقی زوال کے بعد یہ تحریک پورے اناطولیہ میں پھیل گئی اور اس نے سماجی اور اقتصادی تنظیم کی شکل اختیار کر لی۔ عثمان خاں نے بھی اس میں شرکت کی۔ اِس تحریک کے لوگ خود محنت کرتے، دوسروں کی مدد کرتے اور راہِ خدا میں تاتاریوں کے خلاف جہاد کرتے۔ اس تحریک کے باعث اتراکِ رُوم میں جان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پڑ گئی اور عوام الناس کے مایوسی کے خیالات ختم ہو گئے۔ انقرہ کے علاقوں میں اس تحریک کی حکومت قائم ہو گئی۔ غازی عثمان خان اس تحریک کا ایک رکن تھا۔ بعد میں جب عثمان خان نے عثمانی سلطنت کی بنیاد رکھی تو اس تحریک نے اس کے قیام میں نمایاں حصہ لیا۔ بلکہ تحریک کے زیر اقتدار علاقے عثمانی سلطنت میں شامل ہو گئے۔ اس عظیم الشان کارنامے کو نظر انداز کر کے مولانا رومی کی تعلیمات کو وجد و سماع اور رقص و نغمہ کی دعوت کہنا صحیح نہیں ہے۔ دمشق اور قونیہ میں مولوی طریقہ کے درویش آج تک جو رقص کرتے چلے آ رہے ہیں وہ ان کی اپنی ایجاد ہے۔

رومی عجائب گھر | مولانا روم کی قبر کی ساخت میں بھی اس امر کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ سر اونچا ہو اور پائنتی کا رخ پست رہے۔ تمام قبریں ریشمی غلافوں سے مستور ہیں اور ان پر سونے چاندی کے تاروں سے قرآن کریم کی آیات اور بیل بوٹے کڑھے ہوتے ہیں۔ تمام قبروں کے سرہانے عمامے رکھے ہوتے ہیں۔ جن کے شملے نیچے لٹک رہے ہیں۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے اس کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے بتایا کہ یہ دور جہاد کا رواج ہے۔ صوفیاء، علماء اور مجاہدین اپنے کفن کا کپڑا عماموں کی شکل میں سر پر باندھے رکھتے تھے۔ مگر مرنے کے بعد ان کے ورثاء اسے کفن کے طور پر استعمال کرنے کے بجائے قبر کے اوپر رکھ دیتے تھے۔ راقم الحروف نے دمشق میں غازی صلاح الدین ایوبی کی تربت پر بھی غازیؒ کا عمامہ اسی حالت میں رکھا ہوا دیکھا ہے۔ یہ تربت جامع اموی کے پہلو میں واقع ہے۔ مولانا رومی کی تربت کے پاس ہر وقت میوزک بجتا رہتا ہے۔ بجانے والا نظر نہیں آتا۔ ممکن ہے ٹیپ ریکارڈر سے یہ خدمت لی جاتی ہو۔ اس میوزک میں مولانا رومی کی مثنوی کو بڑی سُریلی اور وجد آور دھنوں میں ڈھال کر اندرونی ماحول کو مسحور کیا جاتا ہے۔ مقبرے کی ساخت اور اندرونی اور بیرونی نقوش کی ہم آہنگی بھی بڑی دل آویز ہے۔ مولانا روم کا مقبرہ سلجوقی سلطان علاؤ الدین کیقباد نے تعمیر کروایا تھا۔

ملحقہ حجرے عجائب گھر کا کام دے رہے ہیں۔ پہلے یہ درویشوں کے مطالعہ و مراقبہ کے لیے وقف تھے۔ ایک چھوٹی سی مسجد بھی اندر ہی بنی ہوتی ہے۔ ایک بڑا سا صحن بھی ہے جس میں وجد و رقص کی محفلیں جمتی چلی آ رہی ہیں۔ مولانا روم کا خود نوشت مثنوی کا نسخہ، مثنوی کی شروح، مولانا کے اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور خلفاء کے جبے، ہزار دانہ تسبیحیں، قرآن کریم کے قدیم نسخے جن میں ایک نسخہ ایک ہزار سال پرانا ہے، مختلف باجے جو رقص کے دوران بجائے جاتے تھے، الغرض فرقۂ مولویہ سے متعلق بہت کچھ اس عجائب گھر میں موجود ہے۔ عقیدت مندوں کا یہ حال ہے کہ میں نے ایک صاحب کو عین مولانا کی قبر کے سامنے نماز پڑھتے دیکھا اگرچہ قبلے کا رُخ بھی اسی طرف تھا۔ قبر کے سامنے سربسجود غرقِ مراقبہ بہت لوگوں کو دیکھا۔ اور نکلتے وقت مسٹر کمال الدین نے مجھے اشارہ کیا کہ فارسی شعر کا یہ کتبہ بھی پڑھ لیں جو دیوار پر آویزاں ہے۔ وہ شعر تو مجھے پورا یاد نہیں رہا۔ مگر اُس کا مفہوم یہ ہے کہ "مولانا کی قبر کا ایک طواف سات ہزار سات سو ستر حجوں کے ثواب سے بہتر ہے" یہ سب بے جا عقیدت۔

مولانا روم کے مزار سے متصل ہی جامع سلیمیہ ہے۔ مزار سے نکلے اور مغرب کی نماز کے لیے جامع سلیمیہ چلے گئے۔ جامع سلیمیہ سلطان سلیم ثانی (۱۵۶۶-۷۴ء) نے بنوائی تھی۔ دو میناروں والی یہ انتہائی خوبصورت مسجد قونیہ کے اندر عثمانی فنِ تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔ اور اسی عظمت و شکوہ کی حامل ہے جو استنبول میں اسی نام سے اس عظیم سلطان کی یادگار ہے۔ اِن دونوں کا معمار بھی ایک ہے، وہ ہے سنان پاشا جسے عثمانی فنِ تعمیر کا موجد اور رُوح کہا جاتا ہے۔ ترکی کی مشہور مسجدیں اور قصر اُسی کے کمالِ فن کا مظہر ہیں۔ مسجد میں حاضری خوب تھی۔ اور یہ شک دُور ہو گیا کہ رمضان کے بعد لوگ مسجد کا رُخ نہ کریں گے۔

<u>موجِ نُور</u> | شب باشی نُوری تحریک کے ایک انتھک کارکن حسن صاحب کے ہاں طے ہوئی۔ نمازِ عشاء کے بعد اُن کے مکان پر اخوانِ نُور کا بہت بڑا اجتماع منعقد ہو گیا۔ دوستوں نے بتایا کہ وقت کم ہونے کی وجہ سے تمام احباب کو اطلاع نہیں ہو سکی ورنہ حاضری دوگنی ہوتی۔ یہ سب لوگ چیدہ اور نمایاں ہیں۔ تعارف سے معلوم ہوا کہ اکثریت اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کی ہے۔ اُن کے روشن اور دمکتے چہرے ایمان و اخلاص کی منہ بولتی تصویر تھے اور نورِ علیٰ نور کی شان جلوہ گر تھی۔ گفتگو کے لیے میرے ترجمان آیدین کے ایک رفیق کو منتخب کیا گیا جو نہایت شستہ اور رواں عربی بولتے تھے اور قونیہ کے ہائر اسلامک انسٹی ٹیوٹ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ آیدین وہی شہر ہے جہاں عدنان مندریس مرحوم پیدا ہوئے۔

حاضرین میں عربی زبان جاننے والوں کی تعداد بھی کافی تھی۔ اس کا اندازہ مجھے اُن سوالوں سے ہوا جو متعدد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوگوں کی طرف سے عربی زبان میں کیے گئے۔

مجھ سے مطالبہ کیا گیا کہ میں جماعت اسلامی کی دعوت اور طریق کار پر مفصل روشنی ڈالوں۔ اِس موضوع پر گو میں استنبول اور انقرہ میں اخوانِ نور کے اجتماعات میں تقریریں کرتا رہا ہوں، مگر قونیہ میں کچھ زیادہ ہی اس بارے میں تشنگی اور طلب کا اظہار کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ قونیہ خالصتہً مشرقی شہر ہے اور استنبول و انقرہ کی نسبت یہاں کے ماحول پر اسلامی روایات کی چھاپ زیادہ مضبوط اور گہری ہے۔ اس لیے یہاں تحریکی جوش و خروش بھی بڑھ چڑھ کر ہے۔ صالح اوزجان مجھے پہلے باخبر کر چکے تھے کہ اِزمیر کے بعد ہماری دعوت کا دوسرا مضبوط مرکز قونیہ ہے۔ میں نے جماعت کی دعوت کے چاروں نکات بیان کیے۔ اور بتایا کہ ان میں سے ہر ہر نکتہ پر اب تک کس حد تک کام ہو چکا ہے اور اُسے بروئے کار لانے کے لیے کیا کیا وسائل اختیار کیے گئے ہیں۔ کوشش کی کہ اختصار تو ہو مگر بات ادھوری نہ رہے اور اُکتا دینے والی طوالت سے بھی بچوں۔ بانیٔ تحریک کی سوانح حیات اور جماعت کی تاریخ بھی بیان کی۔ جماعت نے زندگی کے مختلف گوشوں میں جو کچھ جد و جہد کی ہے اس کی کسی حد تک وضاحت کر دی۔ اِس طرح کے مواقع بہت کم نصیب ہوتے ہیں۔ راقم الحروف نے پوری کوشش کی کہ یہ حضرات ہماری دعوت، نصب العین اور طریق کار سے کم از کم بنیادی طور پر واقف ہو جائیں۔ یہ ایک فرض ہے جسے ادا کرنا ترکی کی اسلامی تحریک اور پاکستان کی اسلامی تحریک دونوں کا مشترک تقاضا ہے۔ اس اجتماع میں یہ سوال خاص طور پر کیا گیا کہ جماعت نے خواتین کے حلقے میں کیا کام کیا ہے اور کیسے؟ استنبول و انقرہ میں مَیں نے اِس پہلو پر دو چار لفظوں میں اظہارِ خیال کیا تھا مگر یہاں تفصیل طلب کی گئی اور جواب بھی تفصیل کے ساتھ دے دیا گیا۔ سائل نے جواب سُن کر کہا کہ قونیہ میں بعض نوری خواتین بڑا قابلِ رشک دعوتی کام کر رہی ہیں اور ترکی کی مشہور داعیہ اسلام شُعلہ یُکسل نے قونیہ کے بار بار دورے کر کے یہاں کی خواتین میں بیداری کی لہر دوڑا دی ہے[1]۔ یہ سُن کر طبیعت میں بڑی مسرت پیدا ہوئی۔ الحمد اللہ علی ذالک۔ (باقی)

---

[1] شُعلہ یُکسل کے بارے میں پچھلی قسطوں میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔ لیکن اب تازہ اطلاع یہ ملی ہے کہ موصوفہ کو اِزمیر کی فوجداری عدالت میں پیش ہونے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ انہوں نے بندرما شہر میں "اسلام میں عورت کے فرائض" کے موضوع پر تقریر کی ہے۔ تقریر کے فوراً بعد ہی بندرما کے ڈپٹی کمشنر نے وارنٹ گرفتاری جاری کر دیئے اور پولیس انہیں گرفتار بھی کرنے گئی مگر عوام کے جمِ غفیر نے موصوفہ کو گرفتار نہیں کرنے دیا۔ دراصل ملک کے طول و عرض میں شُعلہ نے تقریروں کا جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے اور ہزاروں مرد و زن ان سے متاثر ہو رہے ہیں اُسے روکنا مقصود ہے۔

© rasailojaraid.com